محمد نسیم خان
سبجیکٹ سپیشلسٹ (اکنامکس)، مانسہرہ

اکیسویں صدی، عالم اسلام اور سائنس و ٹیکنالوجی

ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف الیل والنہار لایت لا ولی الالباب

آٹھویں صدی عیسوی سے تیرھویں صدی عیسوی کے دوران مسلم تہذیب نے سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں بے مثال ترقی کی اور مشاہداتی و تجرباتی طریقہ تحقیق و جستجو علم کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں نے مختلف اقوام و ملل کے ذخیرہ علم کو عربی میں منتقل کیا۔ اسکے علاوہ ان کی اپنی تگ و دو سے جو سائنسی حقائق و معارف حاصل ہوئے ان کو بھی کتابی صورت میں پیش کیا۔ یہ وہ دور ہے جب یورپ اپنی تاریخ کے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ مسلمانوں کے تہذیبی ورثہ کی بدولت ہی ممکن ہوسکی۔ اس حقیقت کا اعتراف یورپ کے حق شناس لوگوں نے بھی بڑی فراخدلی سے کیا ہے۔ فلپ۔ کے حق لکھتا ہے۔

"مسلم اسپین قرون وسطیٰ میں یورپ کے ذہنی ارتقاء کی تاریخ بنانے میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آٹھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان ...... عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب و تمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید برآں وہی قدیم سائنسی اور فلسفہ کی بازیافت کا واسطہ بھی بنے۔ پھر ان علوم میں اضافہ کرکے انہیں اس طور پر منتقل کیا کہ مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہوسکی"(۱)

بہت عرصہ تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ تجرباتی طریقہ یورپ کی ایجاد ہے لیکن اب بہت سے یورپی مصنفین بھی یہ اقرار کرتے ہیں کہ تجرباتی طریقہ مسلمانوں نے یورپ کو عنایت کیا۔ "میکنگ آف ہیو مینٹی "کا مصنف برفالٹ لکھتا ہے۔

" ...... Neither Roger Bacon nor his later name sake has any title to be credited with having introduced the experimental method. Roger Bacon was no more than one of the apostles of Muslim schinece and method to cristian Europe, and he never wearied of declaring that a knowledge of arabic and arabian science for his contemporaries the only way to true knowledge .... The experimental method of Arabs was by Bacon's time widespread and eagerly cultivated throughout Europe." (2)

اسلام اور سائنس و ٹیکنالوجی کی اہمیت و ضرورت

اسلام دین کامل ہے جو انسانوں کی ہم گیر فلاح و بہبود کا علمبردار ہے ایک طرف وہ چاہتا ہے کہ ہماری اخروی زندگی خوشیوں سے بھر جائے تو دوسری طرف وہ دنیا کی زندگی کی بہتری، فلاح اور ترقی کا بھی خواہاں ہے۔ قرآنی دعا" ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة " کس قدر جامعیت کی حامل ہے جو دونوں جہاں کی فلاح مانگنے کا درس دے رہی ہے۔

بنی نوع آدم کو اللہ تعالیٰ نے "خلافت ارض" کی خلعت عطا کی ہے اور خلافت ارضی کے فرائض و وظائف کی ادائیگی کیلئے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ بھی ابتداء سے ہی انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی تھیں۔ زمین پر زندگی گزارنے کے لئے ضروری تھا کہ انسان موجودات عالم یا مظاہر کائنات کی معرفت اور انکے آثار و خواص سے آگاہی رکھتا ہو۔ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے بہرور کیا تھا وہ علم الاسماء تھا۔ یہ علم الاسماء کیا چیز ہے؟ اس کی وضاحت مختلف مفسرین کرام نے جس طرح کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چیزوں کی حقیقت کا علم تھا۔ علامہ شہاب الدین آلوسی کے مطابق الاسماء سے مراد ان تمام چیزوں کے نام ہیں جو واقع ہو چکی ہیں اور جو قیامت تک واقع ہونے والی ہیں۔ امام رازی لفظ اسماء کے اشتقاق اور اسکے لغوی مفہوم پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "وعلم ادم الاسماء کلھا سے چیزوں کی صفات انکی تعریفیں اور انکے خواص مراد لینا درست ہے۔ قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے تمام علوم و فنون کو بھی اس لفظ کے عموم میں داخل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "آدم کو اس نے چیزوں کی ہستیاں، ان کے خواص ان کے نام، علم کے اصول صنعتوں کے قوانین اور صنعتوں میں استعمال ہونے والے آلات کی کیفیات (غرض سب کچھ الہام کردیا)" شیخ طنطاوی جوہری اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ "اس نے اشیاء کی معرفت، ایجاد و اختراع اور تمام صنعتیں الہام کر دیں" (۳)

"علم الاسماء" دراصل وہی چیز ہے جسے جدید اصطلاح میں سائنس کا نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ سائنس تمام موجودات عالم اور ان کے آثار و خواص اور انکی حقیقت سے بحث کرتی ہے۔

قرآنِ حکیم کی سینکڑوں آیات آفاق و انفس میں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ آفاق و انفس میں غور و فکر سے مختلف علوم و فنون معرض وجود میں آتے ہیں جن میں حیاتیات۔ نفسیات، طبیعات، کیمیاء، ارضیات، فلکیات وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے : "یقیناً زمین اور آسمان کی تخلیق اور دن رات کے ہیر پھیر میں عقلمندوں کے لئے بہت سے نشانات موجود ہیں" (آل عمران۔ ۱۹۰)

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے : "اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کیلئے اور خود تمہارے

اندر۔ سو کیا تم غور و نہیں کرتے" (۵۱: ۲۰۔۲۱)

جو لوگ کائنات میں غور و فکر نہیں کرتے قرآن حکیم نے انکی مختلف انداز سے مذمت کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور انسان پھیلار کھے ہیں جن کے دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں ہیں اور انکی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ہیں اور ان کے کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں ہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں کیونکہ یہ غافل و بے پرواہ ہیں (اعراف: ۱۸۵)

ایک اور جگہ فرمان خداوندی ہے: "اور ارض و سماوات میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں جن پر یہ لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں" (یوسف: ۱۰۵)

قرآن حکیم کی تعلیمات نہ صرف علم الاسماء (یعنی سائنس) کی اہمیت واضح کرتی ہیں بلکہ ایک قدم اور بڑھاتے ہوئے وہ علم الاسماء کو انسانی فلاح و بہبود کیلئے عملی طور پر استعمال کرنے پر بھی زور دیتی ہیں۔ سائنسی علوم کے عملی استعمال کا نام ہی ٹیکنالوجی ہے جسے قرآنی اصطلاح میں "تسخیر اشیاء کا علم" کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مظاہر کائنات میں انسان کیلئے بے شمار فوائد اور عجیب و غریب نعمتیں ودیعت کر دی ہیں جو اسکی ربوبیت و رحمانیت کا حیرت انگیز مظہر ہیں۔ ارشاد قرآنی ہے۔

الم تروا ان الله سخرلكم مافی السمٰوٰت وما فی الارض واسبغ علیكم نعمه ظاهرة وباطنة (لقمان: ۲۰) (۴)

اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا شہاب الدینؒ لکھتے ہیں۔ "ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نوازشات الٰہیہ ہیں جو آفرینش آدمؑ سے لے کر عصر حاضر تک برابر معلوم و متعارف چلی آرہی ہیں۔ یعنی وہ لوازم حیات جن کے استعمال سے ہر دور کا انسان بخوبی واقف رہا ہے .... باطنی نعمتوں سے مراد مادہ (matter) اور توانائی کے وہ سارے پوشیدہ اسرار و حقائق اور ان میں ودیعت شدہ فوائد ہیں جو علوم سائنس کی ترقی کی بدولت منکشف ہو سکے ہیں جن کو موجودہ دور کا انسان مسخر کر کے بخوبی فائدہ اٹھا رہا ہے مثلاً برق، بھاپ، جوہری توانائی، جوہری آئسوٹوپ اور بے شمار قسم کے کیمیاوی مرکبات جو مصنوعی غذاؤں، ادویہ، کھادوں اور دیگر بے شمار مصنوعات کی تیاری سے متعلق ہیں .... یہ تمام نعمتیں روز اول ہی سے کائنات میں موجود تھیں۔ جن سے انسان علم الاسماء کی ترقی اور علم تسخیر (ٹیکنالوجی) کی قوت کی بدولت صحیح فائدہ اٹھا رہا ہے۔(۵) ایک دوسری جگہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

"اور اس نے زمین اور اجرام سماوی کی تمام چیزیں تمہارے کام میں لگا دی ہیں۔ یقیناً اس باب میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے (بہت سے) دلائل موجود ہیں" (الجاثیہ نمبر ۱۳)

قرآن کریم میں ان آیات کے علاوہ اور مقامات پر بھی موجودات عالم کے مسخر کرنے کا ذکر آیا ہے تمام چیزوں کا خالق اللہ سبحانہ و تعالی ہے اسلئے وہ ان اشیاء کا حقیقی مسخر ہے (وله اسلم من فی السموٰت والارض) ایک فرمان نبویؐ کے مطابق انسان کو بھی صفات خداوندی کا مظہر ہونا چاہیے۔ (تخلقوا باخلاق الله) اسلئے جب انسان موجودات عالم کو سائنس و ٹیکنالوجی کی بدولت مسخر کر کے اپنے فائدہ کیلئے استعمال کرتا ہے تو در حقیقت وہ اپنی ذات میں صفات خداوندی کی ایک جھلک پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ یہ عمل کار خلافت کو کماحقہ ادا کرنے کیلئے ازبس ضروری ہے۔(۶)

اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ مظاہر فطرت اور انکے نظاموں کا علم حاصل کرنا اور پھر اس علم کو انسانی فلاح و بہبود کیلئے استعمال کرنا غیر اسلامی، ناجائز، بے کار یا غیر ضروری نہیں ہے۔ بلکہ وہ عین تعلیم الہی اور منشائے خلافت کے مطابق ہے اور اس سے اعراض و چشم پوشی دینی و دنیوی دونوں حیثیتوں سے بڑے نقصان کا باعث ہوگا۔

اکیسویں صدی میں عالم اسلام کیلئے مختلف چیلنج اور سائنس و ٹیکنالوجی کا کردار

اکیسویں صدی میں عالم اسلام کو تہذیبی، تمدنی معاشی سیاسی اور فوجی محاذوں پر مختلف چیلنج در پیش ہونگے۔ جنکا سامنا کرنے کیلئے سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں تیز رفتار ترقی انتہائی ناگزیر ہے۔ ورنہ قوموں کی برادری میں عالم اسلام کا کوئی مقام و مرتبہ نہ ہوگا۔ چیچنیا، بوسنیا، کشمیر، فلسطین، افغانستان وغیرہ کی تاریخ اسی طرح دہرائی جائیگی۔ مغرب کی ثقافتی یلغار اسی طرح جاری رہے گی۔ عالم اسلام کے مادی وسائل کی exploitation اسی طرح ہوتی رہے گی۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ یا غلبہ اسلام کا خواب تشنہ تکمیل ہی رہے گا۔ اور عالم اسلام کی قسمت کے فیصلوں کا اختیار اسی طرح اغیار کے ہاتھوں میں رہے گا۔

۱۔ مغرب میں سائنس جس پس منظر میں پروان چڑھی وہاں مذہبی طبقہ نے مسلمہ سائنسی حقائق کو رد کرنے کا رویہ اختیار کیا اور سائنس دانوں کو اذیتیں دینے میں آخری حدود بھی پار کرلیں، نتیجتاً مغربی سائنسی حلقوں میں یہ سمجھا جانے لگا کہ مذہب و سائنس میں مفاہمت ممکن نہیں اسلئے سائنس کے علمبرداروں نے خدا بیزار تہذیب کی پرورش کی۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان سائنس کا مطالعہ کر کے اسکے خالص اور ناخالص اجزاء کو علیحدہ علیحدہ کریں اور سائنس نے جہاں جہاں ٹھوکریں کھائی ہیں وہاں قرآن و سنت کی روشنی میں اسکی اصلاح کریں۔ سائنس جہاں انسانوں کے دین و ایمان کی غارت گر بن جاتی ہے وہاں بقول اقبالؒ اسکو 'مسلمان' کرنے کی ضرورت ہے وہ لکھتے ہیں:

'مسلمان کیلئے لازم ہے کہ وہ اسی علم کو مسلمان کرے۔ "بولہب را حیدری کرار کن......" اگر اس لہب کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسانی کے لئے رحمت ہے۔' اسی حوالہ سے اقبال کے یہ

اشعار بھی اپنے اندر مسلمان کے لئے لائحہ عمل متعین کرتے ہیں :ـ

تو تش ابلیس را یارے شود — نو نار از صحبت نارے شود
کشتن ابلیس کارے مشکل است — زانکہ او گم اندر عماق دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی — کشتہ شمشیر قرآنش کنی
کور را بیندہ از دیدار کن — بو لہب را حیدرِ کرار کن (۷)

حقیقت یہ ہے کہ جب سائنس "مسلمان" ہو جائے تو وہ انسانوں کو اللہ کی وحدانیت کا قائل کر کے چھوڑتی ہے کیونکہ آفاق وانفس میں ایسی ہزاروں نشانیاں موجود ہیں جو خالق حقیقی کی موجودگی کا دیتی ہیں۔اسی حوالہ سے مولانا شہاب الدین ندوی لکھتے ہیں۔"علم الاسماء (یعنی سائنس) کی تحقیق کا سب سے اہم مقصد معرفت الٰہی کا حصول ہے۔یعنی نظام ربوبیت کی تحقیق کے نتیجے میں خدائے تعالیٰ کی بے مثال صفات مثلاً اس کی وحدت ویکتائی، قدرت وہمہ دانی حکمت ومصلحت، مخلوق پروری، رحمت و رافت اور اس کی عجیب وغریب منصوبہ بندی کا بھرپور مشاہدہ ونظارہ ہو جاتا ہے جو توحید شہودی اور عین الیقین کی منزل اور اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس منزل پر پہنچ جانے کے بعد انسان کو فکری اعتبار سے کسی طرح بھی بھٹکنے اور غلط راستوں کی طرف نکلنے کا موقع باقی نہیں رہتا(۸) اسلام کی نشاۃ ثانیہ یا غلبہ کی دلائل و براہین کی سطح پر تکمیل کے لئے سائنسی علوم کا تنقیدی مطالعہ ناگزیر نظر آتا ہے اور یہ چیزیں بنی نوع انسان کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کیلئے اس دور کی ضرورت ہیں۔

۲۔ پچھلی دہائی کے اختتام پر دنیا میں روس کی شکست وریخت نے سرد جنگ کا خاتمہ کیا تو امریکہ واحد سپر پاور (Sole super power) کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا اور نیو ورلڈ آرڈر کا غلغلہ بلند ہوا۔نیو ورلڈ آرڈر کا سادہ ترین الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد عالمی معاملات امریکہ اور اسکی اتحادی قوتوں کی مرضی ومنشا کے مطابق طے ہونگے اور کسی قوت کو امریکہ وغیرہ کی مرضی سے انحراف کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس پس منظر میں تہذیبوں کے ٹکراؤ (clash of civilizaion) کا نظریہ سامنے آیا ہے۔کمیونزم کے خاتمہ کے بعد مغربی حلقوں کے خیال کے مطابق سماجی جمہوریت (social de-mocracy) یا کیپٹیلزم کے نظام کی فتح ہوئی ہے۔اسلئے اب دنیا میں اس نظام اور اسکے علمبرداروں کا سکہ چلنا چاہیے انکے خیال کے مطابق سماجی جمہوریت کے نظام کو اب صرف اسلام سے خطرہ لاحق ہے اسلئے عالمی سطح پر اسلامی قوتوں اور اسلامی ممالک کو کچلنے کیلئے مختلف محاذوں پر کام ہو رہا ہے ان میں اسلامی ممالک کے خلاف دفاعی تیاریاں بھی شامل ہیں اور جہاں کہیں کوئی اسلامی ملک "سماجی جمہوریت" کے علمبرداروں کی نظر میں کوئی ایسا کام کر رہا ہو جس سے عالم اسلام کا دفاع مضبوط ہو سکتا ہو اسکو بھی بند

کرنے کیلئے وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کو نہ صرف اپنی موجودہ دفاعی صلاحیت کی حفاظت کرنی ہے بلکہ قرآنی حکم واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم والاخرین من دونھم کی روشنی میں عالم اسلام کی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ یہ سطح اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب مسلمان ممالک مانگے تانگے کے ہتھیاروں کی بجائے اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے خود کفالت حاصل کر لیں گے۔

دفاعی تیاریوں کے ضمن میں فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے قول انتم فی رباط دائم (یاد رکھو کہ تم ہمیشہ پہرے پر ہو یعنی تمہیں ہمیشہ اپنے دشمنوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے) کو سامنے رکھنا چاہیے۔ کیونکہ "ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات" کا نظارہ خود مسلمانوں کی تاریخ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ سلطنت عباسیہ، مسلم اندلس، ملت اسلامیہ ہند دولت عثمانیہ کا زوال عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کی فتح چیچنیا اور بوسنیا میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے واقعات اسی حقیقت کے غماز ہیں کہ مسلم دنیا کے بہترین دفاع کے لئے عالم اسلام اور اسکے دشمنوں کے درمیان خوف کا توازن (Balance of terror) قائم کرنا اشد ضروری ہے تاکہ عالم اسلام کو کوئی تر نوالہ نہ سمجھے۔

قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق قیامت سے پہلے اسلام کا عالمی غلبہ ہو کر رہے گا۔ اس سے پہلے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جنگوں کے طویل اور خون ریز سلسلوں کی بھی احادیث مبارکہ میں پیشن گوئیاں کی گئی ہیں اس حوالہ سے بھی دفاعی تیاریاں ناگزیر نظر آتی ہیں کیونکہ عمومی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت بھی اسباب وعدل ہی کے روپ میں اور کارزار عمل میں جدوجہد ہی کے باعث ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اگر مسلمانوں کے دل ودماغ میں آج کسی حیثیت سے یہ تصور جاگزیں ہو کہ "مہدیؒ" کا ظہور اور حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ نزول ہوگا تو مسلمان خود بخود کامیاب ہو جائیں گے اور انہیں حرکت کرنے یا ہاتھ پیر ہلانے کی ضرورت نہیں ہوگی تو یہ نظریہ اور تصور بالکل غلط اور گمراہ کن ہے۔(۹)

۳۔　سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی عالم اسلام کی معاشی ترقی کیلئے ایک ناگزیر لازمہ (in-evitabel pre-requisite) کی حیثیت رکھتی ہے۔ سائنسی وتکنیکی ترقی کے بغیر نہ تو معدنی وسائل نکالے جا سکتے ہیں، نہ زراعت کو جدید خطوط پر استوار کیا جا سکتا ہے نہ صنعتوں کا جال پھیلایا جا سکتا ہے نہ ذرائع نقل وحمل اور مواصلات کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ جدید دور میں معاشی ترقی مشینوں کی مرہون منت ہے اور مشینوں کی تیاری اور بہتری کیلئے ان افراد کی ضرورت ہے جو ایجاد واختراع کی صلاحیتوں سے لیس ہوں اور ایجاد واختراع کی صلاحیتوں کو سائنسی اور تکنیکی علوم میں مہارت پیدا کر کے ہی جلا بخشی جا سکتی ہے۔ یورپ کی تمام تر معاشی ترقی ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے ممکن ہوئی ہے۔ اسلامی دنیا نے بھی اگر

sustainable development حاصل کرنی ہے تو یورپ کی روایت کی تقلید کرنی ہوگی۔ ورنہ پس ماندگی غربت اور دوسروں پر انحصاریوں ہی ہمارا طرہ امتیاز رہے گا۔

اسلامی دنیا میں جہاں جہاں قیمتی معدنی وسائل موجود ہیں وہ یا تو یوں ہی دفن ہیں اور ان سے مناسب ٹیکنالوجی اور مہارت کی ناموجودگی کی وجہ سے استفادہ نہیں کیا جارہا اگر نکالے جارہے ہیں تو ان سے خاطر خواہ آمدنی حاصل نہیں ہورہی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ خام مال کو 'تیار اشیاء' میں تبدیل کرنے کیلئے صنعتیں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً تیل اکثر عرب ممالک میں ایک اہم معدنی دولت ہے۔ لیکن اس معدنی دولت سے غیر بھرپور استفادہ کر کے اپنی معیشتوں کو ترقی دے رہے ہیں۔ عربوں سے تیل خام شکل میں حاصل کر کے ایک طرف اگر توانائی کی ضروریات پوری کی جارہی ہیں تو دوسری طرف موم، مصنوعی ربڑ وارنش، الکحل، پلاسٹک، مصنوعی ریشے، خوشبویات، دھماکہ خیز مواد وغیرہ اشیاء تیار کی جارہی ہیں۔ تیل کی اسی اہمیت کی وجہ سے آج عالم اسلام کے قلب میں استعماری ممالک کی فوجیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ستر کی دہائی میں جس طرح oil embargo نے استعماری ممالک کے ایوانوں کو ہلادیا تھا آج بھی اگر ان ممالک کو تیل کی فراہمی رک جائے تو ان کی معیشتیں ٹھپ ہو جائیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی دنیا اپنے خام مال کو اپنے اپنے ممالک میں ہی استعمال کر کے تیار اشیاء (finished goods) کو بیچنے کے لئے ٹیکنالوجی اور ضروری صنعتوں کے قیام کو یقینی بنائے۔ اس طرح نہ صرف روزگار کے بے پناہ مواقع پیدا ہونگے بلکہ آمدنی زیادہ ہونے کیساتھ ساتھ نئے عالمی تجارتی نظام میں اپنے وجود کو برقرار رکھنا بھی ممکن ہوگا۔ (دنیا میں آج کل "ٹریڈ بلاکس" بن رہے ہیں اور "بلاکس" کے ممبران ہی زیادہ تر آپس میں تجارت کر رہے ہیں۔ مسلم ممالک کو بھی اپنی صنعتی پیداوار میں اضافہ کیساتھ اسلامی کامن مارکیٹ کی طرف پیش رفت کرنا پڑے گی۔

عالم اسلام میں زراعتی "پوٹینشل" بھی کافی موجود ہے لیکن ناقص منصوبہ بندی اور ضروری ٹیکنالوجی کی ناموجودگی کی وجہ سے خوراک کے معاملہ میں بھی ہم دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔(۱۰) اکیسویں صدی میں استعماری ممالک "خوراک بطور ہتھیار" استعمال کر سکتے ہیں۔ (بلکہ کر رہے ہیں اس کا اندازہ افغانستان کے موجودہ حالات اور اقوام متحدہ کے کردار کی روشنی میں بخوبی کیا جاسکتا ہے) ایسی صورت میں ہم اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کو خوراک مہیا کرنے کیلئے انکی ہر طرح کی شرائط تسلیم کرنے کیلئے تیار ہونگے۔ پاکستان کی موجودہ صورت حال کو سامنے رکھنا چاہیے۔ بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے قرضہ حاصل کرنے کیلئے کڑی سے کڑی شرائط بے چون وچرا تسلیم کی جارہی ہیں۔ زراعت کی ترقی اگر ایک طرف اسلئے ضروری ہے کہ اس سے بڑھتی ہوئی آبادی کو اپنے وسائل سے خوراک مہیا ہوگی تو دوسری

طرف روزگار کے مواقع پیدا ہونگے کیونکہ زراعت خود روزگار کرنے کیساتھ ساتھ زرعی خام مال سے چلنے والی صنعتوں (Agro-based industries) میں بھی روزگار مہیا کرے گی۔ نیز زراعتی فاضل پیداوار زرمبادلہ کمانے کا بھی ایک اہم ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔

عالم اسلام میں آج کئی ممالک تیل کو بیچ کر کافی دولت کمار ہے ہیں اور بظاہر امیر ممالک کی صف میں شامل ہیں لیکن ان ممالک کو ترقی یافتہ ممالک نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان ممالک کی معیشتیں اپنی کوئی مضبوط معاشی بنیاد (Sound Economic Base) نہیں رکھتیں۔ مضبوط معاشی بنیاد کیلئے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہونا ضروری ہے۔ جاپان جیسے ملک نے صنعتی طور پر ترقی کر کے ترقی کا ایک نیا ماڈل ہمیں فراہم کیا ہے کیونکہ جاپان میں ضروری معدنی وسائل اتنی زیادہ مقدار میں موجود نہیں ہیں۔ جاپان نے پچھلی صدی کے آخر میں بنیادی صنعتوں کو فروغ دینا شروع کیا۔ پھر دوسری جنگ عظیم میں شکست کے باوجود بھی تھوڑے ہی عرصہ میں بے مثال ترقی کر کے دنیا کو حیران و ششدر کر دیا۔ جاپان کی اس محیر العقول ترقی میں سائنس و ٹیکنالوجی کا کردار فیصلہ کن نظر آتا ہے کیونکہ وہاں تعلیم کی شرح سو فیصد ہے اور بالخصوص اعلیٰ تعلیم تحقیق و تجسّس کے ذریعے نئی نئی دریافتوں کو متعارف کروا رہی ہے۔

عالم اسلام میں بعض ممالک نے اگرچہ عالیشان عمارتیں کشادہ سڑکیں اور محل نما مکانات تو تعمیر کر لیے ہیں لیکن یہ تمام چیزیں مضبوط معیشتوں کی علامات نہیں ہیں۔ خام مال کو بیچ کر کب تک ہم یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔ اگلی صدی میں جب تیل کے ذخائر میں کمی ہو جائے گی تو لامحالہ آمدنی میں بھی کمی ہو جائے گی۔ اسلیئے ضروری ہے کہ مسلم ممالک اپنی معیشت کی بنیادوں کو سائنس و ٹیکنالوجی کو ترقی دے کر مضبوط سے مضبوط تر کر دیں اور صنعتوں کو فروغ دیں۔

۴۔ اکیسویں صدی کو اطلاعات کے انقلاب (Information revolution) کی صدی کہا جارہا ہے۔ کیونکہ اس صدی میں دنیا صحیح معنوں میں ایک "گلوبل ویلیج" (Global Village) بن جائیگی۔ اس "گلوبل ویلیج" میں اپنا مقام بنانے کیلئے عالم اسلام کو انفارمیشن ٹیکنالوجی میں خاطر خواہ پیش رفت کرنا پڑیگی۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں مہارت اور برتری کی بنا پر ہی عالم کفر کی ثقافتی یلغار اور پروپیگنڈا عالم اسلام کو بری طرح متاثر کر رہا ہے۔ اس ثقافتی یلغار اور پروپیگنڈا کا مقابلہ کرنے اور اسلام کا پیغام دنیا تک پہنچانے کیلئے عالم اسلام کی اس شعبہ میں ترقی از بس ضروری ہے۔

۵۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگلی صدی میں توانائی کے روایتی ذرائع میں کمی ہو جائے گی۔ ان حالات میں توانائی کے نئے وسائل تلاش کرنا پڑیں گے۔ اس مقصد کے لئے بھی سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں پیش رفت ضروری ہے۔

۶۔ بیسویں صدی میں دنیا نے صنعتی طور پر بہت زیادہ ترقی کی ہے لیکن اس ترقی نے ساتھ ساتھ ماحولیاتی آلودگی کو بھی جنم دیا ہے۔ اکیسویں صدی میں معاشی ترقی کو اس طرح انجام دینے کی ضرورت ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کے مسائل کم سے کم پیدا ہوں اسلئے "انسان دوست" (human friendly) اور ماحول دوست (Environment friendly) ٹیکنالوجی کی دریافت بھی انتہائی ضروری ہے۔

بیسویں صدی میں عالم اسلام نے اگرچہ استعماری قوتوں کی "سیاسی غلامی" سے بظاہر آزادی حاصل کرلی لیکن اس کی ذھنی، تہذیبی اور تمدنی غلامی کا طوق ابھی تک اسکے گلے میں موجود ہے۔ حقیقی سیاسی آزادی حاصل کرنے اور ذھنی، تہذیبی اور تمدنی غلامی سے سے نجات حاصل کرنے کیلئے سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ اس ضمن میں مولانا شہاب الدین ندوی لکھتے ہیں :-

"......... مگر یہ عجیب بات ہے کہ وہ قومیں جو اقوام مغرب کے غلبے و تسلط سے سیاسی طور پر آزاد نہ ہو سکیں کیونکہ تعلیم اور علوم و فنون نیز صنعت و ٹیکنالوجی کے باب میں یہ قومیں بدستور پس ماندہ اور مغرب سے کوسوں دور ہیں۔ نتیجہ یہ کہ سیاسی آزادی کے باوجود گویا کہ اپنی تمدنی اور فوجی ضروریات کے باب میں عملاً انہی کی دست نگر اور انہی کی غلام بنی ہوئی ہیں اور یہ تمدنی غلامی اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک یہ قومیں علوم و فنون میں کمال حاصل کر کے صنعت اور ٹیکنالوجی میں ترقی نہیں کرلیتیں اور ہر حیثیت سے اپنے آپ کو خود کفیل نہیں بنالیتیں۔"

سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کیونکر ممکن ہے ؟ سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کیلئے ضروری ہے کہ انسانی وسائل Human Resources کو ترقی دی جائے۔ انسانی وسائل کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ تعلیم کے شعبہ میں سرمایہ کاری کی جائے۔ تعلیم کے شعبہ میں سرمایہ کاری کا مطلب ہے کہ ہر مرحلہ ء تعلیم پر زیادہ رقوم خرچ کی جائیں۔ تعلیم کے فروغ سے ایک طرف وہ افراد تیار ہونگے۔ جو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بہتر طور پر کام کرنے کے قابل ہونگے۔ تو دوسری طرف نئی ٹیکنالوجی کی دریافت اور ایجاد کا باعث بنیں گے۔ اس ضمن میں خصوصاً اعلیٰ تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ تعلیم میں بھی کیمیاء، فزکس، حیاتیات، ارضیات، فلکیات، کمپیوٹر ٹیکنالوجی وغیرہ کے شعبوں میں اگر زیادہ سرمایہ کاری کی جائے تو سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔ جاپان، امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، فرانس، روس، جرمنی، اٹلی وغیرہ ممالک میں ہر سال ہزاروں پی ایچ ڈی فارغ التحصیل ہورہے ہیں۔ اسلامی ممالک میں اعلیٰ تعلیم کا شعبہ انتہائی خراب حالت میں ہے۔ اس صورت حال کو تبدیل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسلامی ممالک مشترکہ کاوشوں کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کے ادارے قائم کریں اور تحقیق و تجسس کیلئے ضروری سہولیات مہیا کریں اور عالم اسلام کے قابل ترین ذہنوں کو تحقیق و تجسس کی طرف

راغب کرنے کیلئے تعلیمی وظائف دیں۔ اسکے علاوہ عالم اسلام کے وہ قابل سائنس دان جو مغربی ممالک میں کام کررہے ہیں انکو ترغیبات دے کر عالم اسلام کے تعلیمی اور سائنسی اداروں میں واپس لائیں۔ نیز یہ کہ عالم اسلام میں دینی تعلیم دینے والے اداروں کے نصاب میں بھی دور جدید کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی لائی جائے۔ ان اداروں میں سائنس و ٹیکنالوجی کے مضامین کو مقامی یا عربی زبان میں منتقل کر کے بھی پڑھایا جاسکتا ہے۔ عالمی سطح پر سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں ہونے والی پیش رفت سے آگاہ کرنے کیلئے ترجمہ و تالیف کے شعبوں اور لائبریریوں کا قیام بھی اشد ضروری ہے۔

حرف آخر

سائنس و ٹیکنالوجی کی طرف عالم اسلام کی مراجعت نہ تو دین اسلام سے روگردانی ہے اور نہ بے کار و عبث کام ہے۔ اسکے برعکس یہ قرآنی احکامات کی تکمیل بھی ہے اور عالم اسلام کی ترقی، وقار اور بقا کی ضمانت بھی ہے

حواشی

۱۔ محمد شہاب الدین ندوی، "اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں" ص ۲۲۱

۲۔ علامہ اقبال "Reconstruction of Religious thoughts in Islam" (ص ۱۰۳)

۳۔ محمد شہاب الدین ندوی، ایضاً (ص ۳۹۔۳۱)

۴۔ "کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں مسخر کر دیں اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر دیں"

۵۔۶۔ محمد شہاب الدین ندوی، ایضاً (ص ۱۳۵۔۱۳۳) اور مولانا فضل الرحمان انصاری
The Quranic foundation & Stucture of Muslim Society

۷۔ راقم کا غیر مطبوعہ مضمون "اقبال اور نظام تعلیم"

۸۔۹ مولانا محمد شہاب الدین ندوی ایضاً (ص ۶۴) ۔ (ص ۲۰)

۱۰۔ ۸۱۔۱۹۸۰ سے ۸۵۔۱۹۸۴ کے دوران مختلف ممالک میں مختلف فصلوں کی پیداوار کی جو صورت حال رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم ممالک میں پیداوار بڑھانے کے مواقع زیادہ ہیں کیونکہ مقابلتاً اسلامی ممالک کی فی ہیکٹر پیداوار کافی کم ہے۔ نیچے دیئے گئے جدول سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

نمبر	فصل	ملک	پیداوار فی ہیکٹر (۸۵۔۸۴)
۱	گندم	امریکہ۔ انڈیا۔ کینیڈا۔ ترکی فرانس۔ میکسیکو۔ پاکستان	2519 کلوگرام ۔ 1873 کلوگرام۔ 1746 کلوگرام ۔ 1892 کلوگرام 6008 کلوگرام۔ 4209 کلوگرام ۔1612 کلوگرام
۲	دھان	جاپان۔ مصر۔ پاکستان	6414 کلوگرام ۔5310 کلوگرام۔ 2488 کلوگرام ۔
۳	کاٹن سیڈ	ترکی۔ مصر میکسیکو۔ پاکستان	2030 کلوگرام۔ 2500 کلوگرام 2302 کلوگرام۔ 1350 کلوگرام
۴	گنا	مصر۔ امریکہ۔ پاکستان	75893 کلوگرام۔ 84238 کلوگرام 35568 کلوگرام

بحوالہ انور فاضل چشتی کی کتاب "Agriculture Development Problems of Pakistan" (ص ۳۸)